TAMSAAL
تمثال
Vol 2 , Issue 1 Jan-Jun,2023
www.tamsaal.pk tamsaalurdu@gmail.com

پروفیسر عقیل مغل
صدر شعبہ اردو، پنجاب کالج ڈسکہ

راجہ گدھ میں ناسٹلجیائی کے عناصر کی پیش کش

Professor Aqeel Mughal
Head of Urdu Department, Punjab College, Deska

Presenting Elements Of Nostalgia In Raja Gadha

Raja Gidh by Bano Qudsia is one of the most widely read and acclaimed Urdu novels. Gidh is the Urdu word for a vulture and Raja is a Hindi synonym for king. The name anticipates the kingdom of vultures. In fact, parallel to the main plot of the novel, an allegorical story of such a kingdom is narrated. The metaphor of the vulture as an animal feeding mostly on the carcasses of dead animals is employed to portray the trespassing of ethical limits imposed by the society or by the religion. Bano Qudsia has written this novel drawing on the religious concept of Haraam and Halaal. Many readers tend to interpret Raja Gidh as a sermon, in which Bano Qudsia puts forth her theory of hereditary transmission of Haraam genes. Naturally the plot is woven tosupport the thesis. In the opinion of many readers and critics she manages to convince them that the pursuance of Haraam, be it financial, moral or emotional, results in the deterioration of a person's normality in some sense. She seems to suggest that the abnormality is transferred genetically to the next generation. Apart from the above implication the novel has many social, emotional and psychological aspects. The nostalgic narration of the historical Government College Lahore and of the Lawrence Garden Lahore lights upon the days of seventies and eighties. Bano Qudsia is among those Urdu writers who would think ten times before writing a sentence. But she does not sacrifice the flow of the narrative anywhere in this novel. Her characters are not black and white ones as some of the critics would like to suggest. Every sensitive reader who has attended a college or a university in a Pakistani setting is bound to find some similarities between themselves and one of the characters. Plot: Seemin Shah, hailing from an upper middle class family, falls in love with her handsome class fellow Aftab in the MA Sociology class at Government College Lahore. Seemin is a modern and attractive urban girl and attracts most of her male class fellows, including the narrator (abdul)Qayyum and the young liberal professor Suhail. Aftab belongs to a Kashmiri business family. Though he also loves her, he can not rise above his family values and succumbs to his parent's pressure to marry someone against his wishes and leave for London to look after his family business. Now the long story of separation begins.

Keywords: Raja Gidh, Bano Qudsia, vulture, allegorical, novel, emotional, abdul Qayyum, attractive urban girl, Haraam and Halaal, to interpret, Kashmiri business family, metaphor.

کلیدی الفاظ:۔ بانو قدسیہ،، سائنسی انکشافات،کو قرآنی تھیوری

بانو قدسیہ کا ناول' راجہ گدھ '۱۹۸۱ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ ایک فکر انگیز اور قابل قدر ناول ہے۔ بانو قدسیہ کے فن میں ان کے ناول راجہ گدھ کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ یہ ایک کثیر الجہات ناول ہے۔ یہ ناول ایسے دور میں سامنے آتا ہے، جب انسان اپنی ذات کی شکست وریخت ،

بے سمتی ، اخلاقی قدروں کے زوال ہی کو منزل سمجھے ہوئے ہے اور یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ ہمارا اخلاق گویا اپنے اختتام کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔ جس کا سد باب نہ ہونے پر انسان یقینی طور پر اپنے اخلاق کی موت کو جالیں گے۔ اس ناول کی معنویت مادی اور روحانی سطح پر بھی ظاہر ہوتی ہے اس فلسفے کےداخلی سوالات کے ساتھ ساتھ ، سائنسی انکشافات سے استفادہ کا رجحان بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ ایک طرف حلال اور حرام کی تمیز کو شعوری سطح پر ختم کر کے انسان کے راجہ گدھ بنے کی طرف توجہ دلائی ہے تودوسری طرف اس زوال پر شدید دکھ بھی ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر ممتاز احمد خاں اسے مذہبی نظریاتی کمٹ منٹ کا ناول قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :

بانو قدسیہ کا'' راجہ گدھ) ''۱۹۸۱ء (اس عہد میں مذہبی نظریاتی کمٹ منٹ کا اول ہے، جس میں انہوں نے رزق حلال کی اہمیت کو قر آنی تھیوری کی سائنسی انداز میں پروفیسر سہیل کے ذریعہ واضح کیا ہے ۔ ا

پروفیسر سہیل اپنی کلاس میں طالب علموں کو پاگل پن کی وجہ تلاش کرنے کو کہتے ہیں ان کا اپنا نظریہ یہ ہے کہ :

مغرب کے پاس حرام وحلال کا تصور نہیں ہے اور میری تھیوری ہے کہ، جس وقت رزق حرام جسم میں داخل ہوتا ہے تو وہ انسان کے genes کو متاثر کرتا ہے۔ رزقی حرام میں ایک خاص قسم کی میوٹیشن ہوتی ہے، جو خطرناک ادویات ،

شراب اور ریڈی ایشن سے بھی زیادہ مہلک ہے ۔۲

آگے چل کر وہ کہتے ہیں کہ ان جینز کی بدولت انسان پاگل پن کا شکار ہوتاہے جن قوموں میں رزق حرام کا پکا پڑجاتا ہےوہ من حیث القوم دیوئی ہونے لگتی ہے۔ راجہ گدھ کا پلاٹ مختصر اور سادہ ہے اور ہماری روز مرہ زندگی سے بڑی حد تک مماثلت رکھتا ہے۔ ابتدائی دوسو اڑتیس صفحات آفتاب سیمی اور قیوم کی داستان عشق کو بیان کرتے ہیں اور اس کے بعد قیوم کی بیماری اور ذہنی دیوانگی کا حصہ۔ اس میں پیش کیا جانے والا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ جب انسان گدھ جاتی کی طرح مردار کھانے لگتا ہے تو اس میں دیوانگی پیدا ہو جاتی ہے۔ مردار صرف بے جان چیزوں ہی سے عبارت نہیں ، بلکہ اس میں ہر طرح کا رزق جو نا جائز ذرائع سے حاصل کیا گیا ہو) جس میں رشوت ، دھوکہ دہی ، دوسروں کا غصب کیا ہوا مال و متاع بھی (شامل ہے ۔ اس نظریے کو بانو قدسیہ نے ایک تمثیل سے بھی واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ پوٹھوہار کی وادی میں دنیا بھر کے چرند پرند اکٹھے ہو کر گدھ جاتی پر الزام عائد کرتے ہیں کہ وہ مردار کھانے کی عادت کے سبب دن بدن دیوانگی کے قریب پہنچ رہی ہے اور چاند راتوں میں اس پر پاگل پنا کے دورے پڑتے ہیں اس لیے کیوں نہ اسے جنگل بدر کر دیا جائے؟ تاکہ جنگل کے باسیوں پر اس کا اثر نہ پڑ سکے۔ گیڈر راجہ گدھ کی وکالت کرتے ہوئے یہ نکتہ اٹھاتا ہے کہ، مردار کھانا اس کی اپنی اختراع نہیں ، بلکہ اس کی سرشت میں ہے۔ لیکن اس سے پہلے راجہ گدھا ایک واقعہ سنا چکا ہوتا ہے کہ کس طرح اس نے پہلی بار انسانی خون کا ذائقہ چکھا۔ وہ بتاتا ہے کہ جس درخت پر میں بیٹھتا تھا ، اس کے نیچے ایک جوگی ریاضت کرتا تھا وہ اپنی آرزوں سے چھٹکارا پا کر ابدیت کے خواب دیکھتا تھا۔ لیکن موت سے خائف تھا۔ موت جب اسے لینے آتی تو ہ کہتا کہ جسم لے جاتی ہے تو لے جا ایک روز جوگی نے برگد کے درخت سے لٹک کر خود کشی کر لی، گدھ نے اسے جڑوں کی گرہ کھول کر آزاد کرنا چاہا تو اچانک لہو کی پتلی سی دھار اس کے حلق میں جاپڑی ۔ اور جوگی اپنے پورے بوجھ سمیت زمین پر جاگر، ایسی حالت میں کہ گدھ کی چونچ اس کی گردن میں پیوست تھی۔ اُسی روزسے اس کی سرشت تبدیل ہوئی۔ سوائے انسان کے کوئی بھی جاندار موت سے خائف نہیں ، لیکن اس دن کے بعد گرہ بھی موت سے ڈرنے لگا لیکن موت سے اس کا مستقل رشتہ کچھ یوں منسلک ہو گیا کہ، اس کے جسم میں تمام تر لہو مردار جسم سے بنتا ہے۔

بانو قدسیہ نے ناول میں دیوانگی کی دوقسمیں بیان کی ہیں ۔ ایک دیوانہ پن وہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے تو اس مختل ہوجاتے ہیں اور انسان کا ئنات کی ارزل ترین مخلوق بن جاتا ہے، لیکن ایک دیوانگی وہ بھی ہے، جو انسان کو ارفع و اعلیٰ بلندیوں کی طرف لے جاتی ہے، حتی کہ انسان عرفان کی منزلیں طے کر لیتا ہے۔ عام لوگ اسے بھی پاگل پن سمجھتے ہیں ۔ راجہ گدھ 'چار حصوں پر مشتمل ناول ہے۔ اس کا پہلا حصہ شام سے ہے، جس میں زمانی اور مکانی منظر پر سیمی شاہ، پروفیسر سہیل، آفتاب اور قیوم کے کردار ابھرتے ہیں۔ سیمی ، آفتاب اور قیوم ہم جماعت ہیں لیکن ان کا معاشرتی پس منظر

مختلف ہے۔ سیمی الر ماڈرن مزاج رکھتی ہے۔ اس کا حلیہ بانو قدسیہ نے ان الفاظ میں بیان کیاہے، جب کلاس میں سب پہلی دفعہ اپنا تعارف کرواتے ہیں تو :

وہ گلبرگی معاشرے کی پیداوار تھی۔ اُس وقت اس نے موری بند جینز کے اوپر

وائل کا سفید کرتا پہن رکھا تھا۔ گلے میں حمائل مالا نما لاکٹ ناف کو چھورہا تھا۔ کندھے پر لٹکنے والے کینوس کے تھیلے میں غالباً نقدی ، لپ سٹک ، ٹشو پیپر تھے۔۔۔۔ ایک دو ایسے قیمتی پن بھی شاید موجود ہوں گے ، جن میں سیاہی نہ ہونے کی وجہ سے وہ بال پوائنٹ مانگ کر لکھا کرتی تھی ۔ ۳

دوسرا اہم کردار قیوم کا ہے، جو دیہاتی ماحول سے لاہور کی چکا چوند میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتا ہے۔ اس نے سیمی جیسی مکمل شہری لڑکی اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی ۔ اس کا لب ولہجہ، اٹھنا بیٹھنا سب اس بات کی گواہ تھیں کہ سیمی اس سے مہذب تر ہے۔ اس لیے اس کا جی چاہتاہے کہ اس لڑکی کو پچھاڑے اور اسے اپنے دیہاتی بیک گراؤنڈ میں لے جائے ، جہاں وہ ایک مکمل دیہاتی عورت بن جائے۔تیسرااہم کردار آفتاب کا ہے۔ قیوم ، آفتاب کا روم میٹ بھی ہے۔ بانو قدسیہ، قیوم کی زبانی آفتاب کا تعارف کرواتی ہیں :

''اگر میں گھاس ہوں تو آفتاب پھول تھا، گورا چٹا کشمیری جس کی شربتی آنکھیں براؤن ، بال اور بڑی چوڑی چکلی کا ٹھی تھی۔ اس میں قد سے لے کر رنگ تک باتوں سے لے کر خاموشی تک عادتوں سے لے کر جبلی سرشت تک وہ سب کچھ تھا ، جس سے لڑکیاں پیار کرتی ہیں۔ وہ شکل اتنا معصوم اور بھولا تھا کہ اسے دیکھ کر ہر لڑکی میں ایک ماں بیدار ہو جاتی ۔ لڑکیوں کے سامنے اس ہار کا خاموش رہتا کہ سب کا جی محبوبہ کی طرح اُسے گر گرانے کو چاہتا ۔ ذراسی طبیعت کے خلاف بات ہو جاتی تو اُس کی شکل مجروح ہو جاتی، شرقی آنکھیں نمناک نظر آتیں اب باتوں کے پھاہے لے کر سب لڑکیاں نرس بننے پر آمادہ ہو جاتیں۔ آفتاب قالین فروشوں کا امیروں کاایسالا ڈلا بٹا تھا، جس کی گھٹی میں پریم رچنا تھی ۔۴

چوتھا کردار ، ڈاکٹر سہیل کا ہے۔ جو سوشیالوجی کا پروفیسر ہے۔ عمر میں اپنے طالب علموں سے پانچ چھ سال بڑا ہے لیکن ہر سبجیکٹ پر انھیں عبور ہے۔ ناول کا یہ کردار ہر مشکل کا سامنا کرتا اور اس کامیابی سے سر کر لیتا ہے۔ یہ کر دار ناول میں ایک مرد دانش مند کی حیثیت سے سامنے آتا ہے۔

ناول کے اس پہلے حصے شام سے '' کا ذیلی عنوان عشق لا حاصل ہے۔ اس حصے میں مصنفہ نے آزادی کے بعد ایک ایسے معاشرے کی عکاسی کی ہے، جس میں دو نسلیں جوان ہو چکی ہیں۔ پاکستان ہجرت کر کے آنے والوں نے اس خلا کو پورا کر دیا جو اس خطے سے ہندوؤں کے چلے جانے سے پیدا ہوا تھا۔

بانو قدسیہ خود بھی ۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد ہجرت کر کے آنے والوں میں شامل ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید: بانو قدسیہ کی ہجرت کو ان کے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں :

دن گرم ہو گیا ۔ رات ہونے سے پہلے بہت سے لوگ ہمارے آنگن میں جمع ہو گئے اور اس نے ریفیوجی کیمپ کی شکل اختیار کر لی۔ ان میں سے چند ایک کے سوا اکثر سے ہماری جان پہچان بھی نہ تھی۔ چودہ اگست کا گرم آسمان ہمیں چوطرفہ گھیرے ہوئے تھا وہی چھتی گلی جیسا راستہ، باورچی خانہ میں کام کرنے والی بنگالی مریم، بھینس کا دودھ دوہنے والا نذیر، نانک چندی اینٹوں والی ، پچھلی گلی، پچھواڑےکھلا گراؤنڈ سب کچھ وہی تھا ۔۔۔۔ لیکن نہ جانے کون کھریا مٹی سےہماری ڈیوڑھی پر نشان بنا گیا۔ یہ نشان ایسا تھا جس نے ہندو سکھوں کے اس محلے ہمارے گھر کو بالکل الگ تھلگ کر دیا تھا۔ اس نشان کو خطرہ سمجھتے ہوئے ہم نے آہستہ آہستہ سامان باندھنا شروع کر دیا۔ ۵

بانو قدسیہ نے لکھنے کی ابتدا ۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد کی ہجرت کےاثرات ان کے ذہن پر تھے ۔ اس وقت ان کی تعلیم بی اے تھی ، جب وہ معاشرے کے مسائل اورانسانوں کے دکھ کا تجزیہ کرتی توکہانی جنم لیتی ہے وہ تحریر کردیتی۔

بانوقدسیہ کے اس ناول' راجہ گدھ 'میں ناسٹلجیا جگہ جگہ دکھائی دیتا ہے لیکن ان کے ہاں وہ ناسٹلجیا نہیں جو ہجرت کے نتیجے میں جنم لیتا ہے۔ ان کے ہاں ماضی قریب کی یاد میں جگہ پاتی ہیں۔ ان کے تقریباً کردار ناسٹلجیا کے شکار ہیں ۔ قیوم، سہیل، آفتاب ، سیمی ، عابدہ ، امتل ، روشن انسانی زندگی کے مختلف کردار ہیں، جو حالات کی گردش میں اپنے رنگ بدلتے رہتے ہیں ۔ ان کے جذباتی تاثر اور حسیاتی تاثر میں مماثلت تلاش کرنامکمن

نہیں اور بدی اور برائی میں ڈوبے ہوئے انسان کی روحانی بیداری کا وقت بھی مقرر نہیں۔ وہ بظاہر حال کے لمحے سے لذت اور لطافت کشید کر رہا ہے، لیکن ماضی کو یا درکھنے کی خاصیت بھی اسے ودیعت ہوئی ہے اور وہ مستقبل کو بھی فراموش نہیں کرتا۔

سیمی کا کردار ناول کا ایک ایسا کردار ہے، جس نے اخلاقی اقدار کو دولت کے محور پر گردش کرتے دیکھا ہے ۔ وہ آفتاب سے ٹوٹ کر محبت کرتی ہے۔ آفتاب بھی اگر چہ سیمی شاہ سے محبت کرتا ہے، لیکن خاندانی دباؤ اور دولت کی اقدار پراپنی محبت کو قربان کر دیتا ہے۔ آفتاب کی شادی کے بعد بھی سیمی اسی کی یادوں میں کھوئی رہتی ہے۔ قیوم) جو اس ناول کا مرکزی کردار ہے (۔ دو سال تک شاعروں ، مجذوبوں کی سی لگن کے ساتھ سیمی سے عشق کرتا ہے۔ وہ حرف محبت جب زبان پر ایا تو سیمی آفتاب کے پیکر میں گم تھی :

آئی ایم سوری لیکن میں تمہاری محبت کو کیا کروں قیوم ۔۔۔اس کا تو نکاح ہو گیا ۔۔۔۔ پورا اور اصل ۔۔۔۔ پکے کاغذ والا۔۔۔۔٦

اس کے بعد دونوں کا معمول بن جاتا ہے کہ وہ روز شام گئے باغ جناح میں چلے جاتے لیکن قیوم کی محبت کے باوجود سیمی کے دل ودماغ پر آفتاب کی یاد چھائی رہتی ہے۔ یہ یاد ناسٹلجیا کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ قیوم کی رفاقت بھی اس یاد کو نہیں بھلا پائی۔ اس عشق لاحاصل کی یاد سے وہ مرئضہ بن جاتی ہے اور آخر کار موت سے ہم کنار ہو جاتی ہے۔

تمہیں اس معاملے کو اتنی کم اہمیت نہیں دینی چاہیے، کہیں یہ یرقان نہ ہو۔ تو ہو یرقان ہونے دو۔ کم از کم آفتاب کو یہ تسلی رہے گی کہ سیمی یرقان سے مری اس کی بے وفائی نے میری جان نہیں لی ہے نا۔۷

ناول کا ایک پہلو عشق لاحاصل سے جنم لینے والا ناسٹلجیا ہے، جس کی عملی صورت ناول میں سیمی کے کردار کی شکل میں ملتی ہے۔ ناول کے باقی کردار بھی ناسٹلجیا کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ جب سیمی ہسپتال میں ہوتی ہے تو قیوم اس کو اپنے گھر یہاں اور اپنے ماضی کے بارے میں بتاتا ہے :

میں نے اپنے گاؤں کا حدود اربعہ ، وہاں آنے جانے والے موسم، اپنے خاندان کے افراد، دوستوں کی باتیں ، رسم ورواج ، سب کچھ آہستہ آہستہ اسے بتائے۔ پھر میں تفصیل سے اسے ماں کے متعلق بتایا ۔ وہ کیسی لگتی تھی ۔ اس کے کپڑوں کا سلیپروں کا رنگ عموماً کیسا ہوتا ۔۔۔۔ مجھے تو یہ بھی معلوم تھا کہ سوتےوقت اس کی ٹانگیں کو لیے اور کمر کا زاویہ کیا ہوتا تھا۔ اس سے پہلے مجھے علم نہ تھا کہ اس نے ماں کو کبھی اتنے غور سے دیکھا بھی تھا ؟ پتہ نہیں کیوں ماں کی باتیں کرتے ہوئے مجھے اپنا بچپن ، لڑکپن اور چندرا یاد آنے لگے۔ ماں کی موت کے ساتھ ہی گویا یہ سارادور کسی اہرام مصر تلے دب گیا۔۔۔۔ ٨

ناول کا دوسرا حصہ " دن ڈھلے "کے عنوان کے تحت پیش کیا گیا ہے اس حصے کا ذیلی عنوان "لامتناہی تجس "ہے۔ عملی طور پر یہ دوسرا حصہ، پہلے حصے کی توسیع ہی معلوم ہوتاہے۔ اس باب میں سیمی کے مرنے کے بعد قیوم کی ذہنی حالت کو بیان کیا ہے۔ سیمی اپنی موت کے بعد قیوم کے حواسوں پر چھائی رہتی ہے، جس سے اس کے تمام اعصاب متاثر ہوتے ہیں :

سیمی کی موت کے بعد میں اس حد تک پریشان ہو گیا کہ میرے تمام اعصاب متاثر ہو گئے ۔ ٩

ایسی صورتحال میں پروفیسر سہیل اسے تنزیوگا آزمانے کا مشورہ دیتا ہے۔ انھی دنوں قیوم کی بھابھی کی بھابی ان کی طرف رہنے آجاتی ہے۔ جو خوش باش اور عملیت پسند خاتون ہے۔ وہ گناہ اور ثواب کا ایک مخصوص روایتی تصور رکھتی ہے۔

پہلی دفعہ عابدہ سے ملاقات پر قیوم عابدہ کو دیکھ کر سو چتا ہے :

میں نے آج تک ہر لڑکی میں سیمی کو دیکھا تھا۔ سیمی انگریزی اشتہاروں میں سے نکلی ہوئی لڑکی تھی ہفتوں غسل نہ کرنے کے باوجود وہ کبھی میلی نہیں لگی۔ وہ آرٹ پیپر پر چھپے ہوئے متن جیسی تھی ۔ اس وقت میرے سامنے متوسط طبقے کی ایک گرہستن بیٹھی تھی ۔ جس کا جسم چوکی پر بیٹھ کر لکڑی کی ڈوئی چلانے کا عادی تھا۔ اس کے گٹھے ٹخنے ہاتھ اور پاؤں سب آٹا گوندھنے کی غمازی کرتے تھے حالانکہ وہ دبلی تھی لیکن ۔۔۔ ١٠

اس کے بعد ہر ملاقات میں قیوم عابدہ سے سیمی کےساتھ گزارے لمحوں کی تفصیلات دہراتا ہے :

ہماری عادت تھی کہ جب کبھی باتیں کرتے وہ اپنی پڑی پر رواں رہتی ، میں اپنی

باتیں کیے جاتا ، اس کا شوہر اس کا محبوب ٹاپک تھا۔ میں سیمی کی گفتگو کیے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔۱۱
آگے چل کر قیوم عابدہ سے پوچھتا ہے کہ '' کیا تم یادوں سے آزاد ہوگئی ہو ۔ یہ جملہ اس کے اضطراب کی نشاندہی کرتا ہے، عابدہ کے سامنے سیمی کا سراپا بیان کرتے ہوئے قیوم کہتا ہے :اس کا رنگ ایسا تھا عابدہ ۔۔۔۔ جیسے صبح چڑھتی ہے۔ جب وہ بیمار ہو گئی تو ۔۔۔
اور بھی خوبصورت ہوگئی ۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہ میک اپ کے بغیر بے رونق
تو لگتی ہے لیکن بدشکل نہیں لگتی۔ وہ ہر وقت ہر موسم میں خوبصورت تھی۔ اس کی گفتگو تعلیم ۔۔۔۔ تم سمجھو گی نہیں عابدہ۔۔۔ وہ بڑی Cultured تھی بے حدRefined) ۱۲
قیوم مستقل سیمی کے ساتھ بتائے لمحوں میں کھویا رہتا ہے۔ اور اس کی ہر ایک تفصیل عابدہ کو بتاتا ہے۔
جب وہ ہسپتال میں تھی عابدہ ! تو اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے تھے ۔
میں کئی کئی گھنٹے اس کے پاؤں گرم کرنے کے لیے پکڑے رہتا تھا۔۔۔ ۱۳
قیوم، عابدہ میں پناہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن عابدہ مذہبی رسم ورواج کی پابند ہے۔ وہ ان باتوں کو گناہ تصور کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب وہ ناغے ڈال کر قیوم سے ملنے آنے لگتی ہے، لیکن چونکہ دونوں کرداروں میں محبت نہ تھی بکہ دونوں اپنی اپنی تلاش کے سفر میں تھے ، اس لیے فقط احساس گناہ اور خود شکستگی باقی تھی ۔ ایسے میں قیوم کو اپنی ماں کی وفات کا واقعہ یا دا جاتا ہے :
یہ اُن دنوں کا ذکر ہے ، جب ماں کو عصر کے وقت ہلکا ہلکا بخار رہنے لگا۔ وہ آنگن کے بڑے پیپل تلے نواڑی پلنگ کو گھسیٹتی رہتی ۔۔۔۔ ماں کے مرنے سے کچھ دن پہلے ایک اور بڑا معمولی واقعہ پیش آیا۔۔۔ میں بغیر بالیوں والی ماں کا عادی نہیں تھا۔ نومبر کی دھوپ میں پلنگ پر بیٹھی میری ماں کو رنگ سوجی کی مانند پھیکا نظر آرہا تھا پھر سکے زین اصغری نے ماں کی چٹیا کھینچ کر بنائی ۔۔۔ جب عصر کی اذان ہوگئی تو ماں ملتانی کھیس اوڑھا کر چلی گئیں ۔۔۔ ۱۴
آگے چل کر مصنفہ قیوم کی والدہ کی چندرا آمد کا قصہ اس کی زبان میں یوں بیان کرتی ہے '' :بڑے قحط کا سال تھا۔ بارش کا قطرہ نہ برسا تھا اور بھادوں کا مہینہ جالگا تھا۔ درختوں پر مٹی جمی تھی۔ سڑکیں راکھ جیسی ہو گئی تھیں ۔ میں چوبارے میں رہتی تھی ۔ بھابھی کے ساتھ اور سارا دن بلھے شاہ کے مزار کی طرف منہ کر کے اس کے بچوں کو کھلایا کرتی تھی۔۔۔۔ پتہ نہیں قوالوں کی آواز میں کچھ تھا کہ آسمان چڑھی مٹی میں ۔۔۔۔ میں کو ٹھے سے اتری بڑے پھاٹک سے نکلی اور مزار پر چلی گئی ۔۔۔ اس روز میں مزار سے گھر واپس نہیں گئی ۔۔۔۔ تو اپنے گھر واپس کیوں نہیں گئی ماں بول۔۔۔۔میں نے دونوں ہاتھوں میں ماں کا چہرہ لے کر پوچھا۔ دیکھ کسی سے یہ بات کرنا نہیں اچھا تیرا ابا ناراض ہو جائے گا۔ وہاں میرا اپنا کوئی نہیں تھا ناں۔۔۔ نا ماں نہ باپ۔۔۔ پر یہاں اتنے سال سسرال رہنے کے بعد پتہ چلا ۔۔۔۔۔ وہاں منظورالہی) بھائی (تو تھا ناں ۔۔۔ ۱۵
عابدہ قیوم سے ملنا چھوڑ دیتی ہے اور کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے شوہر کے ساتھ واپس چیچی وطنی چلی جاتی ہے۔
لامتناہی تجس کا عالم اور جستجوئے مسلسل کا سفر نا کامی کے ایک اورپڑاؤ پر پہنچ جاتا ہے۔
ناول کے تیسرے حصے کا عنوان '' دن چڑھے ہے اور ذیلی عنوان " رزق حرام ہے۔ اس حصے میں پروفیسر سہیل کی حلال اور حرام کی تھیوری آگے بڑھتی ہے۔ ساتھ ہی پروفیسر سہیل اس رزق کا ذکر کرتا ہے، جو پیغمبروں کو ملتا ہے۔ یعنی طیب رزق، اس سلسلے میں پرندوں کی کانفرنس کا ایک اور سیشن سامنے آتا ہے۔ جس میں یہ فیصلہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے کہ راجہ گدھ کی سرشت میں حرام کا پہر کا ہے اس کی فطرت کا حصہ ہے، یادہ اپنی مرضی سے رزق حرام پر پلتا ہے۔ اس کے لیے گیدڑ راجہ گدھ کی طرف سے وکیل کے فرائض سرانجام دیتا ہے لیکن چونکہ تمام پرندے اللہ کی دی ہوئی سرشت کے سہارےزندگی بسر کرتے ہیں اور جہات پر ہرے ان کی زندگی اندھیر ہے، اس لیے کانفرنس کی تھی نتیجے پر نہ پانچ سکی۔ اس کے ساتھ قیوم کی زندگی کا اگلا باب شروع ہو جاتا ہے۔ عابدہ کے چلے جانے کے بعد ، قیوم ریڈیو اسٹیشن پر ملازمت اختیار کر لیتا ہے۔ وہاں اس کی ملاقات طرح طرح کے لوگوں سے ہوتی ہے اور ایسی ہی رت میں قیوم ایک طوائف امتل العزیز سے ملتا ہے۔ امتل ایک پیشہ ور طوائف ہے

لیکن اس کا کردار دلچسپ اور متنوع ہے۔ وہ ہیرا منڈی سے نکلنے کے لیے شادی کرتی ہے۔ اس کے ہاں ایک بیٹا جنم لیتا ہے۔ یہی بیٹا بعد میں اسے قتل کر کے اس کی موت کا سبب بنتا ہے۔ اسے شوہر سے بھی مکمل اور بھرپور توجہ اور پیار نہیں ملتا۔ اس لیے قیوم کے استفسار پر وہ کہتی ہے :

اس کا پیار پولا پولا تھا۔ ایسا سر جی ! جیسے ٹھنڈی چائے۔ اس کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔ اس کی دکان تھی انار کلی میں کپڑے کی ۔ ماں تھی ، بہنیں تھیں اور ایک پچھلی منگیتر تھی۔ ایک شادی کے بعد کی محبوبہ تھی، اتنی لمبی چوڑی ذات برادری کی عورتیں تھیں ، جوآدمی اتنی عورتوں میں بٹا ر ہے وہ بے چارہ بھی خالی ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی ساری حصہ پتی میں گزرتی تھی ۔ ادھر مجھے عادت نہیں تھی بٹے کے سوالوں کی ۔۔ ہم تو بچپن سے مرد کے جسم دل روح پر سوار ہونا سیکھتی ہیں۔ ہم جب بھی کسی کو پکڑیں مضبوطی سے پکڑتی ہیں۔ پولے پولے پیار سے مجھے نفرت تھی سرجی ۔'۱۶

ریڈیو اسٹیشن پر قیوم کا امتل سے رابطہ آہستہ آہستہ کئی منزلیں طے کر لیتا ہے۔ اس سے ملنے میں یہ فائدہ نظر آتا ہے

کہ اس کے ساتھ وقت کٹتا چلا جاتا ہے :

عابدہ اور سیمی سے گزرتا گزرتا چندرا میں جا کر وہاں کی گلیوں میں گھومنے لگتا۔ اچھی یا دیں یا تو کبھی مجھ سے وابستہ نہ ہو سکی تھیں، یا ان کا تاثر گہرا نہ تھا۔ اس لیے

یادوں کی ٹونٹی جب بھی کھلتی اس میں سے کھولتا ہوا پانی نکلتا۔۔۔ ۱۷

قیوم کا زیادہ وقت اب امتل کے ساتھ گزرنے لگا۔ اور ایسے ہی ایک دن میں وہ دونوں لارنس باغ میں داخل ہوتے ہیں :

"جس وقت ہم دونوں لارنس باغ میں داخل ہوئے ، میرا دل دھک سے رہ گیا۔ میرا خیال نہیں تھا کہ وہ مجھے باغ جناح لے جائے گی ۔ اس باغ میں ایک کافور کا درخت تھا اور اس درخت کی چھاؤں سے بہت سی یادیں وابستہ تھیں ۔۔۔ میں آپ کو باغ میں نہیں لے جارہی سرجی۔۔۔وہ بابا ترت مراد کا مزار ۔ بس یہاں

حاضری دیں گے اور لوٹ جائیں گے۔۔ میں چپ تھا اندر باہر ۔۔ ۱۸

اس مزار کے ساتھ قیوم کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ کافور کے درخت تلے پہنچ کر امتل فرمائش کرتی ہے کہ یہاں کچھ دیر بیٹھیں؟ یہ بہت مقدس درخت ہے۔ اور امتل اپنے برقعے کا نقاب گھاس پر بچادیتی ہے اور قیوم کو اس پر بیٹھنے کا کہتی ہے :

میں نے نقاب کو گھٹنوں پر رکھ لیا ور چپ چاپ بیٹھ گیا۔ اس درخت تلے ایک لڑکی ملی تھی مجھے ایک بار، پتہ نہیں یہ کافور کے درخت کی خوشبو تھی کہ سیمی کے نہ نظر آنے والے وجود کی ۔ لیکن اس وقت میں امتل کے ساتھ نہیں تھا۔ '۱۹

قیوم، سیمی کے حوالے سے ساری باتیں امتل کو بتادیتا ہے۔ قیوم امتل سے شادی کرنے کی درخواست کرتا ہے، جو وہ یہ کہ کر رد کردیتی ہے کہ اس کے بطن سے حلال زادہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس پر قیوم اس سے پوچھتا ہے کہ کیا کبھی تمہیں اپنابیٹا یاد آتا ہے :

اپنا جو ہوا سر جی۔۔ یاد کیسے نہ آئے پر۔۔۔ کیا کروں اسے یاد کر کے۔۔۔آپ سرجی غلط عورتوں کے پیچھے وقت ضائع نہ کریں۔ آپ کو چاہیے ایک باکرہ لڑکی ۔۔۔ ۲۰

اس کے بعد قیوم اپنی بھا بھی کو کہتا ہے کہ وہ اس کے لیے کوئی لڑکی تلاش کریں لیکن وہ باکرہ ہو۔ یہاں اس حصے کا اختتام ہو جاتا ہے۔ ناول کا چوتھا حصہ رات کے پچھلے پہر ''کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے اور اس کا ذیلی عنوان'' موت سے آگاہی ''ہے۔ اس باب میں مصنفہ نے پرندوں کی سرشت کے حوالے سے بتایا ہے کہ ان کا رب سے وعدہ ہے کہ وہ طیب رزق

کھائیں گے۔ راجہ گدھ بھی پہلے حلال رزق کھاتا تھا، لیکن اس نے بدعہدی کی اور حرام کھانے کا مرکتب ہوا۔ جب سے اس نے مرد جوگی کا خون پیا جب سے وہ موت کا دشمن ہے اور موت ہی کا پروردہ ہو۔

راجہ گدھ کے سفر اور قیام میں کوئی فرق نہیں ، وہ ہجرت کرنے والوں میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راجہ گدھ

جنگل کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ لیکن جاتے وقت کہتا ہے کہ :

دیوانگی دو طرح کی ہوتی ہے ۔ ایک دیوانہ پن وہ ہوتا ہے ،جس کی مختلف
وجوہات یہاں بیان کی گئیں، جن کی وجہ سے حواس مختل ہو جاتے ہیں اور انسان
کائنات کی ازل ترین مخلوق بن جاتا ہے، لیکن ایک دیوانگی وہ بھی ہے جو انسان
کو اعلیٰ وارفع بلندیوں کی طرف یوں کھینچتی ہے جیسے آندھی میں تنکا اوپر اٹھتا ہے اور پھر عام لوگوں سے کہتا چلا جاتا ہے۔ دیکھنے والے اسے دیوانہ سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ اوپر اوپر اور اوپر چلتا جاتا ہے ۔ حتی کہ عرفان کی آخری منزلیں طے کرتاہے۔۔۔ ۲۱
گدھ دیوانے پن کو عرفان کی شکل قرار دیتے ہوئے جنگل سے نکل جاتے ہیں ۔ قیوم ،امتل کے کہنے کے مطابق شادی کے لیے رضا مند ہو جاتا ہے لیکن جب اس کی شادی ہوتی ہے تو لڑکی (روشن)پہلے سے شادی‌شدہ ہوتی ہے۔اور وہ پہلی رات ہی اس راز کو منکشف کر دیتی ہے۔ قیوم اپنا تعارف کرواتے ہوئے کہتا ہے :
''میرا نام قیوم ہے۔ میں نے پلنگ پر اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے کہا۔ میں نے سوشیالوجی میں ایم ۔اے کیا ہے۔ ریڈ یوٹیشن میں ملازم ہوں السر کا مریض ہوں سالن میں مرچیں نہیں کھا سکتا۔ مجھے ایم ۔اے سوشیالوجی کی تعارفی کلاس یاد آگئی ۔۔ میں نے ارادہ کیا کہ اپنی ساری زندگی آپ کو دوں۔ بمعہ اس کی تلخ یادوں کے۔۔۔ ۲۲
لیکن روشن اس تعارف کے بعد اس حقیقت کا انکشاف کرتی ہے کہ وہ شادی شدہ ہے اور بچے کی ماں‌بننے والی
ہے۔ قیوم روشن کو اس کے پہلے خاوند کے سپر د کر دیتا ہے۔ یہاں سے قیوم کا کردار ایک نئی کروٹ لیتا ہے۔ مجموعی طور پر اگر راجہ گدھ ''کا جائزہ لیا جائے تو یہ ایک ایسے کھو کھلے معاشرے کا ناول ہے۔ جس کی قدروں کا شورا نظام متزلزل ہو چکا ہے۔ برصغیر کی تاریخ اس کی بنت میں موجود ہے۔ لیکن ناول کی‌واقعاتی سطح آزادی کے بعد کے معاشرے کی آئینہ دار ہے۔ جب دولت کی لوٹ کھسوٹ اور دوسروں کی چھوڑی ہوئی جائیداد پر ناجائز قبضے نے انسان کو حریص اور لالچی بنا دیا اور اخلاقی قدروں کا زوال شروع ہوا۔ ناول کو ایک‌طرف مرنے والے افراد کاناول قرار دیا جا سکتاہے تو دوسری طرف تسلسل حیات کو قائم رکھنے والے کردار بھی موجود ہیں۔ ناول کا ہر فرد ناسٹلجیا کا شکار ہے۔ خاص طور پر ناول کے مرکزی کردار سیمی ، امتل، قیوم، آفتاب اور اس کے ساتھ ضمنی کرداروں میں بھی ناسٹلجیا کی واضح جھلک دکھائی دیتی ہے۔ قیوم کے والد اور والدہ کا کردار قیوم کا والد اس کی والدہ کی وفات کے بعد اپنی بیوی کی یادوں میں کھویا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب قیوم اس کے ساتھ چلنے کو کہتا ہے تو اس کا باپ اس وجہ سےجانے سے انکار کر دیتا ہے کہ حویلی میں ہر طرف اس کی بیوی کی یادیں بکھری ہوئی ہیں :
میں‌ابا کے ساتھ چلنے لگا وہ مجھے ساری حویلی میں لیے پھرا۔ گھر کی حالت خستہ تھی، کہیں رنگین پائے کا پلنگ آخری دموں پر تھا،کہیں جستی ٹرنک کلر میں ڈوبےتھے ، ساری‌جگہ آسیب زدہ تھی ۔ وہ گھوم پھر کر میرے ساتھ باہر آ گیا اور پھر تخت پوش پر بیٹھ کر بولا۔ دیکھتا نہیں تری ماں‌کی کتنی نشانیاں ہیں یہاں۔ کس کس کو چھوڑ
کر جاؤں؟ '۲۳
راجہ گدھ ''کواردو ادب کی تاریخ میں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ بہت سے نقادوں نے اس ناول کی تعریف
کرتے ہوئے اپنی آرا کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر ناہید قمر کا کہنا ہے کہ :
بانو قدسیہ کے ناول'' راجہ گدھ ''کی‌خصوصیت یہ ہے کہ علامتی اظہاریت کی بنا پر اس میں زندگی فعال اور انفعالی دونوں سطحوں پر زندہ رہتی ہے۔ فکری سطح پر کئی‌منطقوں کا احاطہ کرتے ہوئے یہ ناول وقت کے تین دورانیوں سے گزرتا ہے۔ ۲۴
سیمی کے کردار کے حوالے سےڈاکٹر اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں :سیمی کے لیے کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا ، جب آفتاب اس کے خواب و خیال میں بسا ہوا نہ ہو ۔ جب وہ عالم گمشدگی سے بیدار ہوتی ہے، تب بھی قیوم اس کے لیے بس ایک سہارا ہی ثابت ہوتا ہے۔ جو جادہ اعتدال و توازن کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور اس‌کی ڈوبتی کشتی کے لیے ہوا کا کام دے سکے ۔ ۴۱

قیوم کے ناسٹلجیا کے حوالے سے ڈاکٹر اسلوب احمد کا کہنا ہے کہ :

قیوم تنہائی کی اذیت ناک اور روح کو ڈسنے والی کیفیت کا اسیر ہے اور اس کی سائیکی پر ماضی کی یادوں کا بوجھ بھی لدا ہوا ہے ۔ ۲۵

راجہ گدھ 'کو پوری انسانی تاریخ کا سفر قرار دیتے ہوئے سراج منیر اس ناول کوایک اہم روحانی واردات کہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے :

راجہ گدھ اردو ناول کی تاریخ میں ایک اہم روحانی واردات ہے۔ یہ انسانی مغائرت کے بنیادی تقسیم پر لکھا ہوا ناول ہے۔ سیمی شاہ ، آفتاب ، قیوم ،سہیل، امتل یہ سب اپنے اپنے طور پر اس انفرادی بحران کا شکار ہیں، جو انسان کے باطن الوجود میں پوشیدہ ہے۔ یہ بیماری عشق کا یہ جزام نسل در نسل سفر کرتا ہوا ان تک جین کے ذریعے پہنچا ہے جس کے مہم دائرے میں انسانی تقدیروں کے رموز مرقوم ہیں۔ آفتاب نے اس بیماری کو اپنے اندر دبادیا ہے تو اگلی نسل میں اس کی قوت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ اس میں ہر کردار ایسا ہے جو ایک یاد کو اپنے لیے اختیار کرتا ہے اور دوسرے کے شوق کی شوریدہ سری سے بے نیاز رہتا ہے۔۲۶

راجہ گدھ ''ایک کثیر الجہات ناول ہے۔ جس کی معنویت مادی اور روحانی سطح پر ظاہر ہوتی ہے۔ داخلی جذبات کے ساتھ ساتھ سماجی کیفیتوں کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔ قیوم سہیل، آفتاب ، سیمی ، عابدہ ، امتل اور روشن انسانی زندگی کے مختلف کردار ہیں ، جو حالات کی گردش میں اپنے رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ ان کے جذباتی اور حیاتی تاثر میں مماثلت تلاش کرنا ممکن نہیں اور بدی برائی میں ڈوبے ہوئے انسان کی روحانی بیداری کا وقت بھی مقرر نہیں ۔ وہ بظاہر حال کے لمحے سے لذت اور لطافت کشید کر رہا ہے لیکن ماضی کو یادر کھنے کی خاصیت بھی اسے ودیعت کی گئی ہے۔ سارے ناول میں قیوم نفسیاتی، سماجی ، معاشرتی اور اقتصادی مشکلات سے دو چار رہتا ہے دراصل قیوم کا ماضی اس کے والدین کا ماضی ہے اور قیوم اپنے ماضی سے کٹ نہیں سکتا۔ مجموعی طور پر راجہ گدھ ایک ایسا شاہکار ناول ہے۔ جس نے فکر کی نئی راہیں کھولنے کی سعی کی

حوالہ جات

۱۔ڈاکٹر ممتاز احمد خان'' :اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار ،لاہور، فکشن ہاؤس ، ۲۰۱۳ء ، ص ۱۰۸

۲۔ بانو قدسیہ'' راجہ گدھ 'لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، ص ۳۴۴

۳۔بانو قدسیہ ایضاً،ص ۶

۴۔بانو قدسیہ :ایضاً ،ص ۴۶

۵۔ڈاکٹر انور سدید بانو قدسیہ شخصیت اور فن، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص ۱۶

۶۔بانو قدسیہ :ایضاً ص ۱۳-۱۲۹

۷۔ ایضاً :ص، ۲۲۰

۸۔ایضاً : ص۲۲۵

۹۔ایضاً :ص۲۵۰

۱۰۔ایضاً ص۲۷۰-۲۷۱

۱۱

۔ ایضاً : ص۲۸۲

۱۲۔ایضاً : ص ۲۸۴

۱۳۔ایضاً : ص۲۸۶

۱۴۔ایضاً :ص ۳۱۷-۳۱۶

۱۵۔ایضاً : ص۳۱۹-۳۲۰

۱۶۔ایضاً : ص۔۳۴۰

۱۷۔ایضاً : ص۴۲۱

۱۸۔ایضاً : ص ۴۳۲-۴۳۳

۱۹۔ایضاً : ص۔ ۴۳۸

۲۰۔ایضاً : ص۴۵۰

۲۱ -ایضاً : ص ۴۷۳

۲۲۔ایضاً : ص۴۸۹-۴۹۰

۲۳۔ایضاً : ص ۱۸۲

۲۴۔ ڈاکٹر ناہید قمر" :اردو فکشن میں وقت کا تصور ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۸ ء ص ۱۹۵ ، ۲۰۰۸ء،ص

۲۵۔ ڈاکٹر اسلوب احمد انصاری :اردو کے پندرہ ناول علی گڑھ یونیورسل بک ہاؤس ،۲۰۰۳ ء ص ۳۰۷

۲۶۔ سراج منیر : کہانی کے پانچ رنگ، لاہور، جنگ پبلشرز ، ۱۹۹۱ء ص ۸۱-۸۰